علمی و تحقیقی مجلہ "محاکمہ" یونیورسٹی آف سیالکوٹ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

شرافت علی (پی ایچ ڈی اردو (سکالر) جامعہ سرگودھا

ڈاکٹر سمیرا اعجاز (اسسٹنٹ پروفیسر اردو) جامعہ سرگودھا

الطاف فاطمہ کے افسانوں میں نسائی شعور

Feminine Consciousness in the Fictions of Altaf Fatima

Sharafat Ali, Ph.D. Urdu (Scholar) Sargodha University
Dr. Samira Ejaz (Assistant Professor of Urdu), Sargodha University

ABSTRACT

Famous Pakistani Urdu fiction writer Altaf Fatima is one of the Pakistan's famous novelist fiction writer, translator and women educator. All her creative writings are a reflection of her varied experience and deep observation. And in the short stories both patriotic and religious flavor were mixed. She has her own style of writing which is sometimes reflected in her style and sometimes in the attitudes of her characters. Most of her characters are include those girls and women who had withdrawn from society and try to challenge the norms and values of their family and society. While creating such characters, she kept in mind the attitudes of her society, under which women were encouraged to remain submissive in all respects with regular planning. Altaf Fatima has shed light on the personality and role of women in her fiction and has raised her voice for their rights.

Key Words: feminism, women, cost, society, beauties, kind.

کلیدی کلمات: نسائی، عورت، ذات، سماج، حسن، مہربان۔

الطاف فاطمہ اردو ادب میں اپنے ناول "دستک نہ دو" کی تخلیق کے بعد مشہور ہوئیں۔ یہ ناول 1966ء میں لکھا گیا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے بھی ادب میں حصہ ڈالا۔ اپنے افسانوں کی بدولت انھوں نے عورت کی پسی ہوئی ذات کو ابھارا جو اکثر مردوں کی بے جا مروت کے سامنے جھکی ہوئی نظر آتی ہے۔ ساری دنیا میں عورت کو کم و بیش ایک ہی نظر سے دیکھا جاتا

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ہے۔ان کے استحصال کا سلسلہ زمانہ قدیم سے ہر جگہ اور ہر دور میں قائم رہا ہے۔عورت کی زندگی بے شک اندرونِ خانہ کی ہو یا بیرونِ خانہ کی، محفل و مجالس کی ہو یا طوائف، زمانہ دوراں میں رونما ہونے والے واقعات کی اصل محرک وہی ہوتی ہے۔وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ کے مصداق عورت کے بغیر ادب کا ہی نہیں دنیا کا تصور ممکن نہیں۔عورت مرد کے شانہ بشانہ کھڑی نظر آتی ہے۔ کبھی ماں، بہن کی شکل میں تو کبھی بیوی اور بیٹی کی شکل میں لیکن مرد حضرات نے ہمیشہ ان کا استحصال کیا۔پوری دنیا میں عورت چاہے جس مذہب، سماج یا ذات سے ہو، عورتوں کی حالت کبھی بھی اچھی نہیں رہی ہے۔یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ عورت کا سب سے پہلا تصور ایک دیوی کے روپ میں ابھرتا ہے جو کہیں ناہید، زہرہ اور وینس کے روپ میں سامنے آتا ہے۔انسان چاہے جتنی بھی ترقی کر لے لیکن عورت کو قائل کرنے والوں کی منتیں کبھی پروان نہیں چڑھیں گی۔ابن حنیف اس بارے میں لکھتے ہیں:

> "سات ہزار برس پہلے سومیریوں کے سیلاب عظیم کی بابلی روایت ہو یا زہرا اور مشتری طوائف کا اپنے حسن وصورت سے فرشتوں کا ایمان متزلزل کر کے آسمان پر چلے جانے کی پر لطف حقائق مادری تہذیب کی علمبردار اور زراعت کاروں کا مذہب ہو یا موجودہ عیسائیت اور ہندوازم اشتار کسی روپ میں ہر جگہ جلوہ گر ہے"(1)

الطاف فاطمہ کا تعلق افسانہ نگاروں کی اس صف سے تھا جن کے ہاں عورت ایک روایت پسند ہے۔وہ حدود و قیود کی بھی قائل ہے لیکن کھلی آزادی بھی اس کے لیے زہر قاتل ہے۔الطاف فاطمہ کے افسانوں میں نسائی شعور زندگی کے عام و خاص مسائل ،اخلاقیات اور روحانی اقدار کا زوال، جدید تہذیب اور حیات نو کی باریکیاں مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے ان کا تجزیہ ان کے بالعموم موضوعات ہیں۔اس کے علاوہ مقصدیت اور اصلاح پسندی بھی ان کے افسانوں پہ چھائی نظر آتی ہے۔وہ سماجی حقیقتوں کو نہیں بل کہ ان کے فلسفیانہ نظریات، تجزیاتی انداز فکر، مشاہدات و تجربات افسانے کی وساطت سے نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں ۔مشرقیت کا عنصر ان کی افسانوں میں غالب ہے۔سید وقار عظیم الطاف فاطمہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ان کا مزاج مشرقی ہے اور ان کا سوچنے کا انداز بنیادی طور پر اخلاقی اور دینی، اس لیے انھوں نے اپنے افسانوں کو محبت، وفا شعاری، ایثار، قربانی، درد مندی اور دل سوزی کی بات کہنے اور نیکی کی قدروں کی تلقین کا بہانہ بنایا ہے"(2)

عصر حاضر میں ماڈرن ازم اور بے حیائی کی تفریق ممکن نہیں ہے۔عصر حاضر نے برے اور اچھے کا معیار اور مفہوم بدل دیا ہے۔منفی اقدار کو جدیدیت سمجھتے ہوئے اپنے گلے کا ہار بنالیا ہے۔بے ہنری اب ایک عیب کی بجائے وصف بن کر رہ گئی ہے۔اخلاقی

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اور معاشرتی اقدار ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانے کی عورت اپنے اپ کو عدم تحفظ کا شکار سمجھتی ہے اور اس سے تعاون اور مروت رکھنے والے مرد کو زن مرید کا نام دے دیا گیا ہے۔ الطاف فاطمہ کی مشرقیت میں عورتوں کے مسائل سے لے کے اسلامی بھائی چارے اور انگریزوں کی تقلید تک سب مسائل نظر آتے ہیں۔

اسی طرح ان کا افسانہ " بازگشت " ہے جو ان کے نسائی شعور کی عکاسی کرتا ہے۔ تہذیب سے جڑا یہ افسانہ مسلمانوں کی مشرقی روایات کا اعلان کرتا ہے۔ اس افسانے میں الطاف فاطمہ نے ایک خاتون کردار کے ذریعے معاشرہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ "بازگشت "ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جس کی اچانک شادی کر دی جاتی ہے جب کہ وہ خود عمر کے ابتدائی سالوں میں ولولہ انگیز ہوتی ہے لیکن شادی کے بعد وہ گھریلو زندگی گزارنے لگتی ہے۔ اس کے باوجود معاشرے میں کچھ نہ کچھ کر سکنے کا دکھ اسے ہمیشہ رہتا ہے اور اسی کے رد عمل کے طور پر وہ اپنی بیٹی کی تربیت مغربی طرز پر کرتی ہے۔ الطاف فاطمہ اسی مغرب پرستی پر سماج کی توجہ دلانا چاہتی ہیں کہ لوگ اندھی تقلید کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر غلام حسین اظہر کے خیال میں:

"مشرقی سوچ اور مشرقی جذبہ کے کے طفیل الطاف فاطمہ کا ایک اشارہ کنایہ، دل نشیں اور دل نواز بن گیا ہے"(3)

نسائی شعور کی مد میں الطاف فاطمہ کا افسانہ " ننگی مرغیاں " ہے۔ افسانہ کا اسلوب علامتی ہے اور واحد متکلم میں لکھا گیا ہے قدیم تہذیب و معاشرت کو جب آنکھ اور ملبوسات دونوں عناصر میں ایک حیا اور تقدس موجود تھا اس کی جگہ نئی تہذیب نے جدیدیت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ اس لبادے نے روز بروز معاشرے کو جس طرح بے لباس کیا ہے اس پر ہلکا سا تاسف اس افسانے کو پڑھ کر ہوتا ہے۔ " ننگی مرغیوں "پر نظر پڑتی ہے تو اس زو معنویت میں ایک جہت قاری کو وقفے وقفے سے بڑے ہی تھوڑے دورانیے کے لیے قدرت اللہ شہاب کے کے افسانے جگ جگ کی طرف لے جاتی ہے۔ افسانہ " ننگی مرغیاں " کی ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "اے لوگو سنو! جب تم بے لباسوں کو لبادے اوڑنے پر آمادہ نہ کر سکو تو اپنی نگاہیں نیچی کر لو۔ لحاف کی نرمی اور گرمی تلے لرزتے ہوئے سنی ہوئی یہ صدا صاف سنائی دے رہی ہے۔ سامنے والی لڑکی کے تن سے دھیرے دھیرے وہ لباس سرک رہا ہے جس پر وہ شرم سار تھی۔ لمبی اور ننگی گردنوں والی برہنہ لاشیں ہی لاشیں"(4)

عورت جو کہ سماج کا ایک اہم رکن ہے۔ الطاف فاطمہ کے ہاں عورت محض تفریح کا سامان نہیں بل کہ وہ عورت کی ضرورت و اہمیت کو بیان کرتی ہیں اور اس کے مسائل پر انھوں نے باریک بینی سے لکھا ہے۔ اس کی محرومیوں کے ساتھ ساتھ انھوں

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

نے ملازمت پیشہ عورت کے مسائل کو بھی بیان کیا ہے جو مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرتی ہے۔ ایسی عورت کو نہ صرف افراد خانہ کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے بل کہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے مردانگی کا خول بھی چڑھانا پڑتا ہے۔ الطاف فاطمہ کی عورتوں کے مسائل سے ذاتی واقفیت نے ان کے افسانوں کو حقیقت کا مرقع بنا دیا ہے۔ جدید عورت پر ان کا افسانہ "ہیچلرز ہوم" ہے جس کی ہیروئن عشق و عاشقی کے چکروں میں پڑنے کی بجائے اپنے کام سے کام رکھتی ہے۔ وہ اگرچہ لڑکوں کے ساتھ ان کے گھروں میں رہ رہی ہوتی ہے لیکن وہ اپنی مکمل آزادی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسے اپنے آپ پر پورا اعتماد ہے اور اپنی ذات پر یقین رکھتی ہے۔ "زینت کوثر" نام کی لڑکی چار کنوارے لڑکوں کے ہاسٹل میں تن تنہا زندگی گزارتی ہے۔ بالکل ایسے جیسے بتیس دانتوں کے درمیان زبان محفوظ رہتی ہے۔ اپنا مشن مکمل کرتی ہے اور خالد سے اپنی محبت چھپا کر اپنی تعلیم مکمل کر کے ہاسٹل سے چلتی بنتی ہے۔ محبت کا اظہار اس لیے نہیں کرتی کہ اسے اپنا مقصد مقدم تھا۔ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے والی عورت کے جذبات و احساسات کو الطاف فاطمہ نے بڑی حساسیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ افسانے کی ہیروئن کے اندر لڑکی کے پورے خواب موجود ہیں اور وہ انھی کے سہارے اپنی زندگی گزارتی ہے لیکن وقت ان عورتوں کو بے دردی سے روندتا ہوا گزر جاتا ہے۔ انھوں نے پروفیشن لڑکیوں کے مسائل پر کئی کامیاب افسانے لکھے ہیں۔ نسوانیت اور ایک استاد ہونے کے ناطے وہ لڑکیوں کے جذبات و نفسیات سے پوری طرح واقف ہیں۔

اپنے افسانے "ویران سینہ" میں انھوں نے عورت کی ایک اور زاویہ سے عکاسی کی ہے۔ شادی شدہ برسرِ روزگار عورتوں کو اپنا موضوع بنایا ہے جو اپنے محرومیوں کی ازالے کے لیے شادی کی تمام رسوم ادا کرتی ہے لیکن شادی ہونے کے باوجود سال کے صرف چند مہینے اپنے خاوند کے گھر بطور مہمان گزارتی ہے۔ وہ خاوند کے گھر اس لیے نہیں رہتی کہ اس پر بڑی ذمہ داریاں پڑ سکتی ہیں۔ اسے مرد ذات پر بھروسہ نہیں ہے اس لیے وہ ملازمت کرتی ہے کہ مرد کا کیا بھروسہ کہ کب بدل جائے؟ زہرہ ایسا کردار ہے کہ نسوانی ہونے کے باوجود اس میں مردانہ مزاج پرورش پا رہا ہے۔ وہ ہر بات کا متضاد پہلو ڈھونڈ لیتی ہے۔ انفرادیت تسلیم کرانے کی کوشش کرتی ہے۔ "زہرا" کے کردار کو منفرد زاویوں سے گرفت میں لیا ہے۔

اسی قبیل کا ان کا ایک افسانہ "دکھوں کا بیوپاری" ہے۔ یہ بھی ایک برسرروزگار لڑکی کا المیہ ہے۔ یہ ان لڑکیوں کا المیہ ہے جن کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔ یہ اس سطح کا اظہار ہے جہاں انسانی تعلقات کو شکست نہیں ہوتی لیکن زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ "شہلا" کا کردار اس افسانے میں اتنا گہرا تاثر چھوڑتا ہے کہ قاری اسے محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ "شہریار" جو "شہلا" کے لیے دکھوں، الجھنوں اور بیماریوں ہی کے تحفے لاتا ہے۔ اسے دکھ سے پریشان ہے کہ اس عالم میں ان کے پاس ماں تک نہیں۔ انہیں

صرف ایک ماں کی ضرورت ہے۔ اس افسانے میں ماں کی طرف رغبت کا اظہار محض ضمنی ہے۔شہلا جب اقامت گاہ جاتی ہے تو دیکھتی ہے:

"یہ برسرروزگار لڑکیوں کی اقامت گاہ تھی لیکن برسرروزگار خواتین کی اقامت گاہ کے ہنگاموں میں بڑا ہاتھ مشترکہ اور اکلوتی سنگار میز پر غلط و پیچان لپ سٹکوں، ہیر سپرے اور نیل پالشوں کے مختلف شیڈز، جوڑوں کے اندر پیڈنگ کے طور پر کام کرنے والے بالوں کے گولے۔۔۔۔۔۔ پوڈی کلون کی خوشبوئیں اور سب پر حاوی ریڈیو سیلون کی ریکارڈنگ کی قوی دھیمی اور کبھی اونچی آواز کا شور ہوتا ہے"(5)

پاکستانی معاشرے میں لڑکیوں سے بچپن ہی سے امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ ایک شادی شدہ عورت اوسط سات یا آٹھ بچے پیدا کرتی ہے۔ زیادہ تر دیہاتی عورتیں فیملی پلاننگ کے طریقوں سے آگاہ نہ ہونے یا اپنے شوہر یا سسرال کی مخالفت کے ڈر سے ان طریقوں سے دور رہتی ہیں۔ ایک عورت چودہ گھنٹے گھریلو کام صفائی، دھلائی، کھانا پکانا، بچوں کی دیکھ بھال اور مویشیوں کی نگہداشت وغیرہ میں صرف کرتی ہے۔ یہ وہ کام ہیں جن کو کام سمجھا ہی نہیں جاتا۔ دیہی معاشرے میں عورتیں مردوں کے برابر کام کرتی ہیں مگر اس کے باوجود کوئی اچھی معاشرتی حیثیت نہیں رکھتی۔ صحت کی بنیادی سہولتیں حاصل نہیں، پرائمری تعلیم عام کرنے کی سرکاری کوششوں کے نتیجے میں دیہات میں بچیوں کو اسکول میں داخل تو کرایا جاتا ہے مگر فصلوں کی کٹائی اور بوائی کے موسم میں ان لڑکیوں کو سکول نہیں بھیجا جاتا بل کہ ان سے کھیتوں میں کام لیا جاتا ہے یا پھر سکول میں دور دراز سے آنے والی استانی کبھی کبھار آتی ہے۔ اس طرح تعلیمی تسلسل قائم نہیں رہ پاتا۔ عورتوں کے مسائل پر لکھنے کے حوالے سے ڈاکٹر عصمت جمیل کہتی ہیں:

"عورت کے مسائل پر الطاف فاطمہ نے بری باریک بینی سے لکھا۔ عورت کی محرومیوں کے ساتھ انھوں نے ایک جرت مند ملازمت کرنے والی خاتون کو پیش کیا ہے۔ حالات کا مردانہ وار مقابلہ والی عورت کے الزمات واحساسات کو الطاف فاطمہ نے بڑی حساسیت کو پیش کیا ہے"(6)

نسائی شعور کی ایک اور مثال الطاف فاطمہ کا افسانہ "پرانا حریف" ہے یہ افسانہ بھی ایک اہم سماجی مسئلے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ افسانے کے ذریعے سماج کے اس رجحان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جہاں لڑکیوں کی شادی نوعمری میں ہی کردی جاتی ہے۔ پھر لڑکیوں کی کم فہمی کس طرح گھریلو ماحول اور ازدواجی زندگی میں مشکلات پیدا کرتی ہے انھوں نے اس افسانے کے ذریعے یہ بھی بتایا ہے کہ عورت ہمارے معاشرہ میں کسی عمر میں محفوظ نہیں۔ شائستہ بیگم نو بچوں کی ماں ہونے کے باوجود عدم تحفظ کا شکار ہے۔ اس کا اعتراف وہ یوں کرتی ہے:

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"نہیں میں رانا کو کبھی مطمئن نہیں کر پاؤں گی۔ میک اپ کے سامان سے لدی ہوئی قیمتی سنگار،
پیرس اور امریکہ کے درآمد سامان کو بڑی حسرت سے دیکھا جو مل جل کر ان کے شوہر کے
سامنے ان کی سفارش سے قاصر تھا"(7)

اس افسانے میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ مرد ذات ناقابل بھروسہ ہے۔ اس سے زیادہ کیا سند ہو گی کہ ایک شخص جو نو بچوں کا باپ ہے پھر بھی اپنی بیوی سے آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ "رانا سعید" نامی کردار ایک ایسا کردار ہے جس کے لیے حسن ہی پیمانہ ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی خوب صورت نظر آئے۔ اب نو بچے پیدا کرنے کے بعد ایک عورت کا جوانی جیسی خوبصورتی برقرار رکھنا تقریباً ناممکن ہے۔ جب ایسا نہیں ہو پاتا تو "رانا سعید" باہر منہ ماری شروع کر دیتا ہے۔ حالاں کہ وہ نو بچوں کا باپ ہے لیکن اپنی عمر سے زیادہ جوان لگتا ہے۔ اس افسانے میں الطاف فاطمہ نے مرد کی نفسیات کو بھی بہت اچھے طریقے سے پیش کیا ہے۔

پاکستانی معاشرے میں لڑکیوں سے بچپن ہی سے امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ لڑکوں کی نسبت ان کو کم کھانا اور سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ اسی طرح لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے دور دراز کالجز اور یونیورسٹیز میں بھیجا جاتا ہے جب کہ لڑکیوں کو پرائمری تک محدود رکھا جاتا ہے۔ کم عمری میں شادی اور پھر گھر کا تمام بوجھ ان پر لاد دیا جاتا ہے۔ پیدا ہونے کے ساتھ ہی عورت کی حیثیت ثانوی کر دی جاتی ہے۔ لڑکے کی پیدائش پر خوشی اور لڑکی کی پیدائش پر غم کی کیفیت پورے گھر پہ سوار ہو جاتی ہے۔ لڑکی چوں کہ والدین کے لیے عموماً معاشی سہارا نہیں بنتی اس لیے اسے حقیر نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

الطاف فاطمہ اس بے انصافی کے خلاف ہیں۔ ان کی نظر بعید جہاں بھی دیکھتی ہے کہ عورت کے ساتھ بے انصافی یا محرومی برتی جا رہی ہے اس کے خلاف آواز اٹھانا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔ خاص طور پر یہ معاشی ناہمواری انھیں بہت ناگوار گزرتی ہے۔ انھوں نے محبت کے المناک انجام کی ذمہ داری اس سماج کے نام نہاد سٹیٹس پر ڈالی ہے جو اندر سے بالکل کھوکھلا ہے۔ مثلاً انھوں نے اپنے افسانے "مچھلی" میں اسی موضوع کو بنیاد بنایا ہے۔ ایسی لڑکی جس کی قامت مچھلی سے ملتی جلتی ہے، نہ صرف قامت بل کہ اس کی چال ڈھال بھی مچھلی سے مشابہ ہے۔ اس کو یہ خطاب بس سٹاپ پر کھڑے ہونے والے لوگوں نے دیا ہے۔

الطاف فاطمہ چوں کہ خود بھی ایک عورت ہیں اور پھر وہ کالج میں استاد کے منصب پر بھی فائض تھیں اس لیے گھر سے باہر نکلنے والی خواتین کی مشکلات مصائب اور پریشانیوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس افسانے میں بھی گھر سے باہر نکلنے والی لڑکیوں خصوصاً ایسی لڑکیاں جو لوکل ٹرانسپورٹ میں سفر کرتی ہیں کی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ مختلف حیلوں اور بہانوں سے لوگ لڑکی کو تنگ کرتے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ہیں۔ کبھی آرٹ پیپر کی مچھلی بنا کر اور کبھی پلے کارڈ پہ مچھلی کا نقشہ بنا کر لیکن مجال ہے لڑکی پر اس کا ذرا بھی اثر ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو گھروں سے مجبوریوں کے تحت نکلنے والی عورتوں کو تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں اور ان کے لیے پریشانی کا باعث بنتے ہیں لیکن " مچھلی" ایک پر اعتماد شخصیت کی مالک ہے۔ لڑکے اسے دیکھنے کے ساتھ ہی پکارتے ہیں:

"نعرہ مچھلی، یا مچھلی، یا مچھلی۔۔۔۔۔۔۔ تمام لڑکے ہم آواز ہو کر جواب دیتے۔ یا مچھلی، یا مچھلی، ساتھ ہی ایک آدھ بد تمیز لڑکا ماہی بے آب کے انداز میں تڑپنے پھڑکنے کی ایکٹنگ شروع کر دیتا"(8)

اس کہانی کا دوسرا مرکزی کردار اس تمام روداد سے آگاہ تو ہوتا ہے لیکن یہ نہیں سمجھ پاتا کہ اس کا مخاطب کون ہے۔ ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق تھا لیکن کچھ دن تک مجبوری کے تحت بس میں سفر کرتا ہے۔ وہیں اس کی ملاقات مچھلی سے ہوتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ دونوں اپنے ماحول سے فرار چاہتے ہیں۔ لڑکی ڈرتے ہوئے گھر سے بھاگنے کی حامی بھر لیتی ہے لیکن عین وقت پر اسے اپنے خاندان اور والدین کی عزت کا خیال جکڑ لیتا ہے اور وہ گھر سے بھاگنے کا خیال ملتوی کر دیتی ہے۔ اسے خاندان کی نیک نامی کا خیال آتا ہے دوسرا ہر خیال اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ کئی سال بعد جب وہ دوبارہ دونوں کی اچانک ملاقات ہوتی ہے تو اس وقت تک دونوں کی شادی ہو چکی ہوتی ہے۔ پھر وہ شخص مچھلی کو اپنی گاڑی میں اس کے گھر چھوڑنے جاتا ہے۔ دونوں کے لباس کے ذریعے مصنفہ نے طبقاتی فرق کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے:

"وہ سستے سے پرنٹ کے ملگے سے شلوار کرتے میں میرے سامنے کھڑی تھی اور میں خود اس سوٹ میں اس کے مقابل کھڑا تھا جو پہلے ٹرپ پر میں نے پیرس سے سلوایا تھا"(9)

آخر پر الطاف فاطمہ نے اس محبت کا انجام بھی بتایا ہے اور سماج کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ شاخ نازک پہ جو آشیانہ بنے گا نہ پائیدار ہو گا۔ سماج میں ایسی کوئی حرکت کرنے کی جرات بھی کرے تو اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہمارے سماج کی عورت معاشی جبر کے ساتھ ان گنت ناانصافیوں کا بھی شکار ہے۔ پاکستان میں وٹا سٹا، بلبور، ونی، سوارہ، قران سے نکاح، غیرت کے نام پر قتل، دشمنی کے بدلے میں خواتین کی بے حرمتی، پولیس تحویل میں خواتین سے جسمانی زیادتی، خواتین پر تیزاب پھینکنے اور خواتین کو حراساں کرنے کے واقعات عام ہیں۔ ان معاملات کے علاوہ عورتوں پر سماجی رسوم کا دباؤ بہت زیادہ ہے۔ اس دباؤ کے زیر اثر ہر طبقے کی عورت کی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ عورتیں بیرونی دباؤ کے ساتھ ساتھ گھریلو تشدد بھی برداشت کرتی ہیں۔ گھریلو جسمانی تشدد اور ذہنی سطح پر عورت کے ساتھ برتے جانے والے رویوں کا حصہ بن چکا ہے۔ پاکستانی خواتین کی اکثریت گھریلو تشدد کی مذکورہ بالا صورت میں کسی نہ کسی کا سامنا ضرور کرتی ہے۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اسی تناظر میں الطاف فاطمہ کا لکھا گیا افسانہ "رتن جوت" ہے۔ "رتن جوت" افسانہ کا مرکزی کردار ہے جو مشمولہ "تار عنکبوت" سے لیا گیا ہے۔ رتن جوت کا کردار ملازمت پیش عورت کا ہے۔ اس کردار کے ذریعے افسانہ نگار نے عورت کی معاشی مجبوریوں کو بیان کیا ہے۔ متوسط طبقے کی لڑکی جو خاندان کا بوجھ اٹھاتی ہے اس کی زندگی میں کوئی رنگ بہار نہیں ہوتا۔ رتن جوت ایک تصویر کا نام ہے جس کی نہ آنکھیں تھیں ناکان، نہ ہونٹ البتہ سیاہ بالوں کا ایک ڈھیلا سا جوڑا ہوتا ہے۔ لیکن اسی تصویر کی طرح ایک عورت ہوتی ہے جو ملازمت پیشہ بھی ہے۔ وہی بے کان، بے آنکھ اور بے منہ بولتا ہوا چہرہ اس کا نام رتن جوت ہے۔

اس کردار کے ذریعے ملازمت پیشہ عورت کی تصویر دکھائی گئی ہے کہ اسے کن کن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ رتن جوت کی شادی دھوکے سے کر دی جاتی ہے اس کا شوہر میٹرک فیل ہے۔ وہ رتن جوت کے ساتھ اس کے آفس جاتا ہے تاکہ اس کی بیوی کو کوئی ورغلا نہ لے جائے۔ رتن جوت بظاہر اپنی ازدواجی زندگی سے بہت مطمئن نظر آتی ہے۔ وہ گھر کے سارے کام خود انجام دیتی ہے۔ سکول سے بچوں کو لانا، ان کے کپڑے سلوانا، خرید و فروخت غرض ہر کام کرتی ہے لیکن اس کے اندر کڑن تعصب، حسد اور رنجش کا لاوا پکتا رہتا ہے جس کا اظہار اس کے چہرے کی خفیف اور باریک لکیروں سے ہوتا ہے۔

الطاف فاطمہ نے "رتن جوت" کے کردار کے ذریعے ملازمت پیشہ عورت کی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ انسان پر ایسا وقت بھی آتا ہے جب انسان کو اندر کے زخموں کو سنبھال کر رفو کرنا آ جاتا ہے۔ عورت پر ایسا وقت بھی آتا ہے جب عورت کے چہرے پر نہ لب باقی رہتے ہیں، نہ آنکھیں نہ کان، نہ ناک یہ سب چیزیں چہرے کے لیے بہت ضروری ہوتی ہیں لیکن عورت اپنے ہاتھ سے نوچ کر یہ سب چیزیں پھینک دیتی ہے۔ بس ایک خالی سپاٹ چہرہ لیے چلتی پھرتی ہنستی بولتی ہے۔ یہ ملازمت پیشہ عورتوں کی مشکلات ہیں جن سے ان کو گزرنا پڑتا ہے لکھتی ہیں:

> "کیا آپ نے یہاں اس آفس میں میرے بارے میں ہونے والی باتیں نہیں سنی؟ مثلاً کیا میں انجان گیا۔ یہی اس کا کام اس کا خاوند کرتا تھا۔ خود تو اناڑی ہے اور خود بڑی معصوم بی بی بنی بیٹھی رہتی ہے مگر رشوت خاوند سے دلواتی۔۔۔ میں تو مانتی ہوں میں بہت کمزور ہوں" (10)

ہمارے سامنے اس کردار کی حقیقی تصویر، حقیقی مشاہدے اور تجربے سمیت آئی ہے۔ گھر اور گھر سے باہر بالادستی کے ماحول میں عورت کو قدم قدم پر رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ الطاف فاطمہ نے کردار کے نفسی مطالعے کے ذریعے اس کی مجبوری اور محرکات سے فائدہ اٹھایا ہے۔ انھوں نے عورت کے روایتی کردار میں محبت اور وفا اس کی ہستی کی سب سے حسین شے تصور کیا جاتا ہے۔ جہاں الطاف فاطمہ نے نسائی شعور کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ اپنے افسانوی مجموعہ "جب دیواریں گریہ کرتی ہیں"

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

میں مرکزی افسانہ "مشت غبار" میں ایک ہیجڑے کی نفسیات اور مسائل کی بھی نشاندہی کی ہے۔ ہمارے سماج میں چوں کہ لوگوں کی سوچ محدود ہے اس لیے تیسری جنس کے افراد کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ تیسری جنس کو اب کی بار مردم شماری کے ڈیٹا بیس میں شامل کیا گیا ہے۔ ہیجڑے بھی انسان ہی ہوتے ہیں لیکن یہ وہ افراد ہیں جو مکمل طور پر نہ مرد ہیں نہ عورت بل کہ درمیانی جنس کے افراد ہیں اور اپنی حرکات و سکنات کی وجہ سے اکثر مذاق کا نشانہ بنتے ہیں۔ یہ معاشرتی بے حسی و تنگ نظری ہے کہ خاندان حتیٰ کہ والدین بھی اپنی اولاد سے بے رخی برتنے لگتے ہیں پھر اگر ان لوگوں کو گھر میں عزت اور محبت نہ ملے تو چھوٹی عمر سے ہی یہ افراد گھر سے نکل کر ایسے لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جو ان کے جیسے ہوں اور پھر یہ اپنے استاد کے چیلے بن جاتے ہیں۔ اپنے گرو کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ہمارا معاشرہ عموماً دو جنسوں کو ہی قبول کرتا ہے یعنی مرد اور عورت، لیکن تیسری جنس کے افراد کو بالکل قبول نہیں کیا جاتا۔ اکثر اوقات عزت نفس کی پامالی ایسی جنس کے افراد میں احساس کمتری جیسے نفسیاتی بیماری کا زہر بھر دیتی ہے۔ ایسے لوگ اپنی گزر اوقات بعض اوقات بھیک مانگ کر، اپنا تمسخر اڑا کر، تالیاں بجا کر اور بعض اوقات طوائف بن کر کرتے ہیں۔ بازاروں، سڑکوں، پارکوں اور دوسرے تفریحی مقامات پر تیسری جنس کے افراد اکثر مل جاتے ہیں۔ میک اپ سے تھپے چہرے، رنگ برنگے زیب تن کیے کپڑے، لوگوں کو جینے کی دعائیں دیتی یہ قوم معاشرتی اور اخلاقی ابتری کی شرمناک مثال ہے۔ ہم انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیتے ہیں۔ افسانہ "مشت غبار" میں موجود "نرگس" کا کردار بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ مصنفہ نے "نرگس" کے نفسیاتی اور ذہنی مسائل کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ اس حوالہ سے افسانہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "ایک دن وہ آکر بیٹھی ہی تھی کہ بھیا آ گیا۔ میں نے دیکھا نرگس کو دیکھ کر وہ بھنا گیا اور پیر پٹختا ہوا اندر چلا گیا۔ نرگس موقع ملتے ہی کھسک لی۔ میں اندر گئی تو اس نے معترض آواز میں محاسبہ کیا۔ یہ کیا بے ہودگی ہے؟ اے بھیا یہ بھی تو اللہ کی مخلوق ہے، میں نے سفارش کی ہوگی مگر اللہ کی مخلوق سے کہو میرے سامنے نہ پڑا کرو" (11)

مندرجہ بالا اقتباس کو دیکھا جائے تو الطاف فاطمہ نے اس مخلوق کی بھرپور نمائندگی کی ہے۔ ان کی نفسیات کی عکاسی اپنے انداز میں کی ہے۔ ہمارے سماج کے اکثر پڑھے لکھے افراد بھی اس تیسری جنس کو دیکھ کر استغفار پڑھنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قریب قیامت کی نشانی ہے۔ "نرگس" کو اس کا گرو ہر وقت ڈانٹتا رہتا ہے لیکن نرگس پھر بھی اسے چھوڑ کر نہیں جاتی کیونکہ اس کے خیال میں وہ اکیلا رہ جائے گا۔ "نرگس" کا دل محبت اورصدردی سے لبریز ہے۔ اپنی آخری عمر میں نرگس ناچ گانا بھی بند کر دیتی ہے اور احساس تنہائی کا شکار ہو کر ہر وقت ماضی کی خوشگوار یادوں میں گم رہنے کی کوشش کرتی ہے۔ نہ ہی زندگی میں اور نہ مرنے کے بعد

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ان کا کوئی نام ہوتا ہے۔ "نرگس" بھی بے نام و نشان مر جاتی ہے اور "مشت غبار" کی طرح فضا میں گم ہو جاتی ہے کاش ہم اس تکلیف کا اندازہ لگا سکیں جو معاشرے کی بے حسی کے ہاتھوں انہیں دی جاتی ہے۔ محمد عالم خاں الطاف فاطمہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وہ ہر طبقے کی زندگی کے واقعات کو مشاہدات اور علم کی روشنی میں پیش کرتی ہیں"(12)

بطور استاد الطاف فاطمہ نے اپنی خدمات تقریباً تیس سال تک انجام دیں۔ ان تیس سالوں میں انھوں نے عورت کے نشیب و فراز دیکھے۔ جوان لڑکیوں کے مسائل سے پالا پڑا۔ پھر بطور استاد اپنے فرائض کو بخوبی احسن طریقے سے نبھایا ہے۔ حرام روزی کمانے کا طعنہ جہاں باقی شعبہ جات خاص کر پولیس کے محکموں کو دیا جاتا ہے وہاں باقی افراد کو کیوں پسِ پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ استاد جیسے مقدس پیشہ سے وابستہ لوگوں میں بھی چند کالی بھیڑیں موجود ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الطاف فاطمہ نے اسی موضوع پر افسانہ "خستہ خانم" اسی موضوع کو بنیاد بنا کر لکھا ہے یہ افسانہ ان کے افسانی مجموعے "تارِ عنکبوت" میں شامل ہے۔ افسانہ کا مرکزی کردار بھی ایک عورت جس کا نام "خستہ خانم" ہے، اعلیٰ انسانی قدروں کا امین ثابت کرنے کے لیے تخلیق کیا ہے۔ قانون کی طالب علم ہونے کے ناطے اس کے خیالات تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ خستہ خانم ہاسٹل میں رہائش پذیر ہے لیکن گرمی کی چھٹیوں میں وہ گھر چلی جاتی ہے اور اپنے گاؤں کی جوان لڑکیوں کو پڑھاتی ہے تاکہ وہ بھی اس معاشرہ کا بوجھ اٹھا سکیں حالاں کہ وہ قانون جانتی ہے لیکن اسے یقین ہے کہ قانون کو لاگو کرنے کے لیے آدمی کا پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے۔ ہاسٹل میں رہتے ہوئے بھی اپنے کام کے ساتھ وہ دور جھونپڑیوں میں وقت ملنے پر چلی جاتی اور بچوں کو تعلیم دیتی، انہیں پیار کرتی، کسی بوڑھے یا بچے کو ضرورت کے تحت سکول یا ہسپتال لے جانا ہوتا تو لے جاتی۔ اچانک ایک دفعہ وہ ایک بچے کو بچاتے ہوئے حادثہ کا شکار ہو جاتی ہے اور وہیں انتقال کر جاتی ہے۔" خستہ خانم" کے اوندے جسم کی پناہ میں لیا ہوا، لمبے کرتے، ننگی ٹانگوں والا برہنہ بچہ بالکل صحیح سلامت ہے۔ ایسا لگتا ہے وہ اسے بچانے کے لیے اس پر اوندھ گئی تھی۔ الطاف فاطمہ نے خستہ خانم کا کردار ایک مخلص اور محنتی عورت کے طور پہ پیش کیا ہے جو اپنی ذمہ داریوں بل کہ انسانیت کی مدد کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتی ہے۔ "ام لیلیٰ" افسانہ "خستہ خانم" کا ایک ایسا کردار ہے جو الطاف فاطمہ نے اس کردار کے ذریعے اپنے پیشے سے بد دیانتی کرنے والی کالج لیکچرر کی عکاسی کی ہے۔ وہ ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور اپنے خاندان میں پہلی لڑکی ہے جو بی اے کرتی ہے۔ جب وہ کالج میں لیکچرر منتخب ہوتی ہے تو اپنا ماضی چھپانے کی کوشش کرتی ہے اور موجودہ حیثیت کی نمائش کرتی ہے۔ حالانکہ وہ کالج میں ملازمت کرتی ہے لیکن اس کے خیالات اپنے پیشے کے بارے میں کم اور اپنے ذاتی فائدے کی غرض سے زیادہ ہوتے ہیں:

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"یہ ہمارے کھیلنے، کھانے کے دن ہیں۔ ابھی سے ہم اولڈ پروفیسر والے رویے اپنانے سے تو رہے۔ وہ بہت سر بلند کر کے بول رہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ زیادہ روک ٹوک کا کیا مطلب؟ ہم طالب علم تھوڑی ہیں کہ ہر وقت دم سادھے احکامات پر چلتے رہیں۔۔۔۔۔۔۔ فرد کی اپنی آزادی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ بندہ صرف حلال روزی کے لیے تو نہیں پیدا ہوا۔ ہمارا بھی ایک مقام ہے"(13)

"ام لیلی" کے ذریعے الطاف فاطمہ نے "خستہ خانم" کا تقابل کیا ہے۔ "خستہ خانم" اپنے پیشے میں مخلص ہے جبکہ "ام لیلی" کے لیے پیشہ صرف آمدنی کا ذریعہ ہے۔ "خستہ خانم" کے مقابلے میں "ام لیلی" کم ایماندار، کم وطن پرست اور کم زور دکھایا ہے۔ آخر پر الطاف فاطمہ بتاتی ہیں کہ آج بھی ہمارے سماج میں "ام لیلی" اور "خستہ خانم" جیسے کردار موجود ہیں۔ الطاف فاطمہ کے افسانوں کے مکمل جائزہ کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے افسانے زندگی سے بھرپور ہیں۔ عورت ہونے کے ناطے انھوں نے اپنے افسانوں میں عورتوں کی خوب نمائندگی کی ہے اگرچہ ان کے افسانوں میں داخلی اور خارجی دونوں حقائق کو مد نظر رکھا گیا ہے تاہم خارج کے تجربات ان کے ہاں زیادہ جامعیت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خارجی حقائق کی بدولت ان کے افسانوں میں ایک عہد کا شعور ابھرتا نظر آتا ہے جس میں زندگی کی تلخیاں بھی ہیں اور مسرتیں بھی، خواہشات بھی ہیں اور حسرتیں بھی۔ ان کی افسانوں میں موجودہ کردار حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ الطاف فاطمہ کے ہاں وہ تمام رجحانات ملتے ہیں جو اس وقت تک کے افسانے میں موجود تھے لیکن ان کی خاص دین تجرد کی زندگی کا تجربہ اور ملازمت پیشہ نسوانی کردار ہیں انھوں نے اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں کیریئر وومن کی نفسیات اور زندگی پر بھرپور افسانے لکھے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ ابن حنیف، ہزاروں سال پہلے، مکتبہ کارواں، لاہور:1960ء صفحہ 12

2۔ وقار عظیم سید، "مقدمہ" وہ جسے چاہا گیا، کراچی: شہرزاد طبع دوم2004ء صفحہ 12

3۔ غلام حسین اظہر، اردو افسانہ پاکستان میں، اوزان لاہور: افسانہ نمبر1972ء ص53

4۔ الطاف فاطمہ، "ننگی مرغیاں" مشمولہ، جب دیواریں گریہ کرتی ہیں۔ کراچی: شہرزاد2003 صفحہ 31

5۔ الطاف فاطمہ، "دکھوں کا بیوپاری" مشمولہ، گواہی اخر شب کی۔ لاہور: جمہوری پبلی کیشنز2018 صفحہ 151

6۔ عصمت جمیل، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور عورت، شعبہ اردو، بہاوالدین زکریا یونی ورسٹی ملتان، مارچ2001ء ص215

7۔ الطاف فاطمہ، "پرانا حریف" مشمولہ، وہ جسے چاہا گیا۔ لاہور: جمہوری پبلی کیشن 2018 صفحہ 105

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

8۔ الطاف فاطمہ، "مچھلی" مشمولہ، جب دیواریں گریہ کرتی ہیں، شہرزاد 2003 صفحہ 26

9۔ ایضا صفحہ 26

10۔ الطاف فاطمہ، "رتن جوت" مشمولہ، تار عنکبوت" لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ 1990 صفحہ 173

11۔ الطاف فاطمہ، "مشت غبار" مشمولہ جب دیواریں گریہ کرتیں ہیں، صفحہ 133،132

12۔ محمد عالم خاں، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانوی رجحانات، علم و عرفان پبلشرز، لاہور: 2004ء صفحہ 205

13۔ الطاف فاطمہ، خستہ خانم، صفحہ 218